سوانح قاسمی ۱۳۷۳ھ

یعنی سیرت شمس الاسلام

سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ سرہ

حصہ دوم

شمس القلم حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی عم فیوضہم

حسب ہدایت

حضرت مولانا محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند

دفتر دار العلوم سے شائع کی گئی

قوب نمبر (43230)

إنما أنا قاسم والله يعطي

سوانح قاسمی

یعنی

سیرت سیدنا الامام الکبیر شمس الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی

قدس اللہ سرہ العزیز

جلد دوم

مؤلفہ

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی عم فیضہ

باہتمام

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مرتب ہوکر

دار العلوم دیوبند سے شائع ہوئی

(ناشر مکتبہ دار العلوم دیوبند)

فہرست مضامین سوانح قاسمی جلد دوم

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	داخلی اصلاحات	۱
۲	احیاءِ عقدِ بیوگان	۴
۳	حضرت نانوتوی رح کی بیوہ بہن کا عقدِ ثانی	۱۲
۴	لڑکیوں کے حقِ وراثت کا احیاء	۱۴
۵	مولانا محمد حسین بٹالوی اہلحدیث سے تقلید وغیرہ پر بحث	۲۳
۶	شرعی مطالبات کی دو اہم قسمیں اور بدعت کی تعریف	۲۶
۷	سماعِ موتیٰ اور حضرت نانوتوی رح	۲۹
۸	بزرگوں کے قریب مدفون ہونا موجبِ برکت ہے	۳۴
۹	اختلافی مسائل میں نرم اور معتدل روش	۳۹
۱۰	بدعت کی حکیمانہ تشریح	۴۵
۱۱	ترکِ بدعات پر اہلِ دیوبند سے عہد لینا	۵۱
۱۲	اہلِ تشیع کے بارے میں اصلاحی اقدامات	۶۰
۱۳	پورقاضی کے شیعوں کا واقعہ	۶۶
۱۴	الہامی طور پر مجتہدین کے اعتراضات کا علم اور ان کے مسکت جوابات (حاشیہ)	۷۰
۱۵	تعزیہ داری کو ختم کرنے میں حضرت نانوتوی رح نے سر کی بازی لگادی	۷۵
۱۶	دیوبند میں تعزیہ داری کا خاتمہ	۷۷
۱۷	دفاعی اقدامات	۷۹
۱۸	انگریز اور انگریزیت سے نفرت	۸۳
۱۹	انگریزیت سے نفرت کا اثر تلامذہ پر (حاشیہ)	۸۴
۲۰	انقلاب ۱۸۵۷ء کا پس منظر	۸۶
۲۱	جشنِ تاجپوشی ملکہ وکٹوریہ کے سلسلے میں حضرت نانوتوی رح کے تاثرات	۹۰
۲۲	مدرسہ دیوبند ۱۸۵۷ء کی تلافی کے لئے قائم کیا گیا	۹۳
۲۳	انقلاب ۱۸۵۷ء میں شرکت کا راز	۹۷
۲۴	انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعض اجمالی پہلو	۱۰۰
۲۵	بارک پور کی سات پلٹنوں کی برطرفی	۱۰۰
۲۶	میرٹھ چھاؤنی میں ہولناک انقلاب	۱۰۶
۲۷	لال قلعہ پر ہندوستانیوں کا قبضہ	۱۰۷
۲۸	۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں حضرت نانوتوی رح کی شرکت کا اصل منشاء	۱۱۱
۲۹	ضلع سہارنپور میں انقلاب ۱۸۵۷ء کی آگ بھڑکنے کی وجہ	۱۱۵
۳۰	قاضی عبدالرحیم صاحب کے رفقاء کے پھانسی پانے کے بعد تھانہ بھون میں حضرت نانوتوی رح اور ان کے اکابر رفقاء میں باہم مشورہ	۱۲۱
۳۱	۱۸۵۷ء کی جنگ میں شرکت پر حضرت نانوتوی رح کے قوی دلائل	۱۲۳

ہندوستانی طبقات کی طرف سے بھی کافی پشت پناہی کی گئی۔ آخر مئی ۱۸۵۷ء میں جو شرارہ اڑا تھا، جلتے اور جلاتے ہوئے بقول راجہ شیو پرشاد

"۱۸۵۸ء کے آخر ہوتے ہوتے جہاں کا تہاں فرو ہو گیا۔"

(تاریخ جام جہاں نما صفحہ ۲۹)

اپنے موضوع سے ہٹ کر اجمالاً جو کچھ اس واقعہ کے متعلق مجھے عرض کرنا پڑا۔ اس کی غرض بھی یہی تھی کہ اس مدت کے بارہ میں پڑھنے والوں کو آسانی ہو، جس میں یہ واقعہ ہندوستان میں گذرا تھا۔ یعنی مئی ۱۸۵۷ء سے مارچ ۱۸۵۸ء تک۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے، کہ ڈیڑھ سال سے دو سال تک کم و بیش ملک اس ہنگامہ کا شکار رہا۔ خبریں جن کا کوئی باضابطہ نظام تو نہ تھا۔ لیکن بہرحال صحیح یا غلط خبریں پھیلتی ہی رہتی تھیں۔ مصنف امام نے بھی لکھا ہے کہ:

"خبروں کا اس وقت میں چرچا تھا۔ جھوٹی بھی ہزاروں گپ شپ اڑا کرتی تھیں۔"

کبھی معلوم ہوتا تھا کہ فلاں مقام پر ہندوستان کا پلہ انگریزوں کے مقابلہ میں بھاری ہو گیا ہے۔ اڑانے والے زیادہ تر مزید دماغی اضافوں کے ساتھ اس قسم کی افواہیں زیادہ اڑایا کرتے تھے۔ اور کبھی یہ ماننے پر بھی لوگوں کو مجبور ہونا پڑتا تھا کہ انگریز غالب آ گئے، عوام تو خیر، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے، ملک کے ارباب فکر و بصیرت کی نظر زیادہ تر دلی پر اور دلی کے بعد تازہ مردہ حکومت کے پایہ تخت لکھنؤ[1] پر جمی ہوئی تھی، راجہ شیو پرشاد جو اسی زمانہ کے آدمی ہیں

---

[1] اختر پیا کی اختر نگری پھر نیلوں والا شہر لکھنؤ واجد علی شاہ سے خالی ہو جانے کے بعد جی چکا تھا لیکن شاہ مرحوم کی جلاوطنی پر سال بھر کا زمانہ بھی نہیں گذرا تھا، یعنی ۷ فروری ۱۸۵۶ء کو انگریزی حکومت کی طرف سے ملک اودھ کی ضبطی کا اشتہار جاری ہوا اور ۱۸۵۷ء کی جنوری میں فوج کی چھاونیاں بدلنے لگی، مئی تک فوج اور فوج کے ساتھ ملک باغی ہو گیا۔ در اصل یہی وجہ تھی کہ جا بجا چھوٹ والے بچلوں سے لکھنؤ کی طرح پر قابل نہ ہو پایا تھا، غدر کے بعد شہزادہ برجیس قدر کو لوگوں نے واجد علی کی مسند پر بٹھا دیا۔ برجیس نو عمر تھا۔ اس کی ماں بیگم تاتی نے حکومت کی باگ سنبھالی، انگریزوں کو لکھنؤ میں کافی دشواری پیش آئی۔ انگریز نیپال کی امداد سات آٹھ ہزار فوج کی شکل میں پاکر ہی لکھنؤ پر

ان کی تاریخ کے اس فقرے کا یعنی

"دہلی اور لکھنؤ کے ٹوٹتے ہی باغیوں کی کمر ٹوٹ گئی" ص ۱۲۹ جام جہاں نما

جس کا مطلب بھی یہی ہے۔

یہ اتفاق کی بات تھی کہ مقابلہ سب سے زیادہ ان ہی دونوں مقامات میں ہوا، اور کشمکش بھی سب سے زیادہ طویل ان ہی دونوں مقامات کی تھی۔ کافی وقفہ اسی لئے سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کا ان لوگوں کو مل گیا۔ جو عوام کے بھیڑیا دھسان میں ابتداء ہی سے شریک نہیں ہوئے تھے، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس ہنگامہ میں شریک ہونے والوں میں ایک طبقہ تو ان لوگوں کا تھا، جن کے لئے "ہو" کی آواز بس تھی، ہندو اور مسلمان دونوں ہی طرح کے مورخین کی کتابوں میں اس قسم کی باتیں جو ملتی ہیں۔ مثلاً راجہ شیو پرشاد نے لکھا ہے کہ

"اس عرصہ میں ہزار ہا قیدی چھٹے اور انہوں نے شہر اور چھاؤنی کے لچے بدمعاش

(گذشتہ صفحہ سے) وقت یہ انگریزوں کو میسر آئی تو کہنے والے کہتے ہیں کہ لکھنؤ کا سقوط آسان ہو تھا۔ سنڈیلہ کی کوٹھی، بیلی گارد کے در و دیوار میں بھی جد و جہد کرنے والوں کی نشانیاں محفوظ ہیں۔ اس موقع پر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ ایک سنی ہوئی بات کا ذکر کردوں، اگرچہ اب نہ ان باتوں کے سننے والے ہی رہ گئے ہیں اور نہ سنانے والے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی صدر الصدور سرکار آصفیہ قدس اللہ سرہ سے ایک دفعہ نہیں مختلف موقعوں پر یہ بات فقیر نے سنی تھی کہ انگریزوں کے مقابلہ میں جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ بھی تھے۔ اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے کہتے جاتے تھے کہ لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔ نواب صاحب ہی دوسرے واقعہ کا ذکر بھی فرماتے تھے کہ غدر کے بعد جب گنج مرادآباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے کسی وجہ سے انگریزی فوج گذری، مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس کے جو ہاتھ میں گھوڑے وغیرہ کی باگ تھامے ہوئے تھا اس سے باتیں کر کے پھر پلٹ آئے، لوگوں نے دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ سائیس جس سے گفتگو کی یہ خضر تھے، پوچھا کہ کیا کہا تو جواب میں کہا کہ حکم ہی ایسا ہے۔ یہ روایت نواب صاحب سے سنی ہوئی ہے، باقی خضر کا مطلب کیا ہے؟ حضرت حق کی خلاقی شکل جن کے نام کی ظاہر ہوتی ہے تفصیل کے لئے شاہ ولی اللہ وغیرہ کی کتابیں پڑھئے گویا جو کچھ دیکھا جا رہا تھا اسی کے باطنی پہلو کا یہ مکاشفہ تھا۔